U 33256

Title - Deewan Hasrat Mohani (Part-I)

Creator - Sayyed Fazalul Hasan Hasrat Mohani.

Publisher - Al Nazir Press (Lucknow)

Publ. Date - 1918

Pages - 12

Subject - Urdu Shayari - Kulliyaat-O-Dawaween

جس میں سید فضل الحسن حسرت موہانی بی اے اڈیٹر رسالہ اردوئے معلی
علیگڑھ کی وہ کل غزلیں درج ہیں جو اردوئے معلی اور
ملک کے دوسرے ادبی رسالوں میں چھپکر مشہور اور
مقبول ہو چکی ہیں
(از سنہ ۱۹۰۳ تا سنہ ۱۹۱۲ء)

جس کو اسحاق علی علوی نے اپنے
مطبع الناظر واقع لکھنؤ میں چھاپا
اور بیگم حسرت موہانی نے علیگڑھ سے شایع کیا
سنہ ۱۹۱۸ء

طبع چہارم
۶۲۲ جلد

قیمت فی جلد
۵ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

لاؤں کہاں سے حوصلہ آرزوئے سپاس کا
جبکہ صفاتِ یار میں دخل نہ ہو قیاس کا

عشق میں تیرے دل ہوا ایک جہانِ بیخودی
جان خزینہ بن گئی حیرتِ بے قیاس کا

رونقِ پیرہن ہوئی خوبیِ جسمِ نازنیں
اور بھی شوخ ہو گیا رنگ ترے لباس کا

لطف و عطائے یار کی عام ہیں بسکہ شہرتیں
قلبِ گناہگار میں نام نہیں ہراس کا

دل کو ہو تجھ سے واسطہ یہ ہو بہ لطفِ مصطفیٰ
وقت جب آئے اے خدا خاتمہ حواس کا

طے نہ کسی سے ہو سکا تیرے سوا معاملہ
جانِ امیدوار کا حسرتِ محوِ یاس کا

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بیتابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

پڑھ کے تیرا خط مرے دل کی عجب حالت ہوئی
اضطرابِ شوق نے اک حشر برپا کر دیا

ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرمِ نیاز
تجھ کو آخر آشنائے نازِ بیجا کر دیا

اب نہیں دل کو کسی صورت کسی پہلو قرار
اس نگاہِ ناز نے کچھ سحر ایسا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھا کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر ذروں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

کیوں نہ ہوں تیری محبت میں منور جان و دل
شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا کر دیا

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھکو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارا کر دیا

سب غلط کہتے ہیں لطفِ یار کو وجہِ سکوں
دردِ دل اسنے تو حسرت اور دونا کر دیا

رنگ سوتے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے ترے حسن کی بیداری کا

مایۂ عشرتِ بے حد ہے غمِ قید وفا
ہیں تمنا سا بھی نہیں رنج گرفتاری کا

جورِ پیہم نہ کرے شانِ توجہ پیدا
دیکھ بدنام نہ ہو نام ستمگاری کا

ہیں جو اے عشق تری بے خبری کے بندے
بس ہو اُنکا تو نہ لیں نام بھی ہشیاری کا

کٹ گیا قید میں ماہِ رمضاں بھی حسرت
گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

تجھسے وہ بلا شوق سے اور تو نے نہ جانا
حسرت کو ابھی یاد ہے تیرا وہ زمانا

ہے ایک درِ پیرِ مغاں تک تو رسائی
ہم بادہ پرستوں کا کہاں اور ٹھکانا

مخصوصِ غمِ عشق ہیں ہم لوگ، ہمارا
اچھا نہیں اے گردشِ افلاک ستانا

صد شکر غمِ پردۂ جہاں سے ہے وہ فارغ
جو دل ہے ترے تیرِ محبت کا نشانا

اب عشق کا وہ حال نہ ہے حسن کا وہ رنگ
باقی ہے فقط عہدِ تمنا کا فسانا

آتی ہے تری یاد جو حسرت کو شب
ہر بار اُسے افسانۂ دل کہکے سنانا

کوئی بھی پرساں نہیں حالِ دلِ رنجور کا
یہ ستم دیکھو دیارِ شوق کے دستور کا

جاتے جاتے رہ گیا وہ نازنینِ صبحِ وصال
آہِ پروازِ اثر ہوں گریۂ مجبور کا

سر اُٹھائے بزمِ جاناں میں بھلا کس کی مجال
رعب غالب ہے یہ اُسکے جلوۂ مغرور کا

ہے غضب کی دلفریبی آج حسنِ ماہ میں
بھر کے دے اک جام ساقی بادۂ پرنور کا

خاطرِ مایوس میں نقشِ امیدِ وصلِ یار
نور ہے صحرا میں گویا اک چراغِ دور کا

یک قلم بے سود ہے اظہارِ حالِ آرزو
حسنِ بے پروا کے آگے عشقِ نامنظور کا

مستیٔ عشقِ دو عالم کی نہیں پروا مجھے
دیکھنے والا ہوں میں اُس نرگسِ مخمور کا

ہے سپردِ خاکِ حسرت واں جو اک یارِ عزیز[۱]
قصد اک مدت سے ہم رکھتے ہیں گورکھپور کا

دل کو خیالِ یار نے مخمور کر دیا
ساغر کو رنگِ بادہ نے پرنور کر دیا

مانوس ہو چلا تھا تسلی سے حالِ دل
پھر تو نے یاد آ کے بدستور کر دیا

گستاخ دستیوں کا نہ تھا مجھ میں حوصلہ
لیکن ہجومِ شوق نے مجبور کر دیا

کچھ ایسی ہو گئی ہے ترے غم کی مبتلا
گویا کسی نے جان کو مسحور کر دیا

بیتابیوں سے چھپ نہ سکا ماجرائے دل
آخر حضورِ یار بھی مذکور کر دیا

اہلِ نظر کو بھی نظر آیا نہ روئے یار
یاں تک حجابِ نور نے مستور کر دیا

حسرت بہت ہے مرتبۂ عاشقی بلند
تجھکو تو مفت لوگوں نے مشہور کر دیا

ہمنے کس دن تیرے کوچے میں گذارا نہ کیا
تو نے اے شوخ مگر کام ہمارا نہ کیا

[۱] اشارہ بجانب عزیز اللہ مرحوم گورکھپوری کہ یکے از عزیز ترین احباب فقیر بود۔ (حسرت)

ایک ہی بار ہوئیں وجہِ گرفتاریِ دل
التفات اُنکی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

محفلِ یار کی رہ جائیگی آدھی رونق
ناز کو اُس نے اگر انجمن آرا نہ کیا

طعنِ احباب سنے سرزنشِ خلق سہی
ہم نے کیا کیا تری خاطر سے گوارا نہ کیا

جب دیا تم نے رقیبوں کو دیا جامِ شراب
بھول کر بھی مری جانب کو اشارا نہ کیا

دوبدو چشمِ تصور کے وہ ہر وقت رہے
تو سہی آنکھ نے گر اُنکا نظارا نہ کیا

گر یہی ہے ستمِ یار تو ہم نے حسرت
نہ کیا کچھ بھی جو دنیا سے کنارا نہ کیا

چہرۂ یار سے نقاب اُٹھا
دل سے اک شورِ اضطراب اُٹھا

رات پیرِ مغاں کی محفل سے
جو اُٹھا مست اُٹھا خراب اُٹھا

نازِ بیجا اُٹھائے تھے آنکے
لے دل اب نازِ اضطراب اُٹھا

ہم تھے بیباک اور وہ محجوب
شب غرض لطفِ بے حجاب اُٹھا

تھے اسی پر نباہ کے دعوے
سر تو اے شوخِ بے حجاب اُٹھا

میکشوں سے نہ محتسب کی چلی
آخرش کارِ لاجواب اُٹھا

اُس قیامت خرام کو یوں چھیڑ
حشر اے جوشِ اضطراب اُٹھا

مستِ صہبائے شوق ہے حسرت
ہمنشیں ساغرِ شراب اُٹھا

ہجومِ بیکسی کو وجہِ لطفِ بیکراں پایا
کہ ہمنے آج اُس نامہرباں کو مہرباں پایا

اگر تھا رنگ بزمِ یار میں نیرنگِ عالم کا
کسی کو سرنگوں دیکھا کسی کو شادماں پایا

ستم سمجھے ہوئے تھے ہم تری بے اعتنائی کو
مگر جب غور سے دیکھا تو اک لطفِ نہاں پایا

سحر وہ کیا تھا نگاہِ آشنائے یار میں
جو دلِ بیمار کے حق میں مسیحا ہو گیا

ضبط سے رازِ محبت کا چھپانا تھا محال
شوق گر پنہاں ہوا تو غم آشکارا ہو گیا

ہے زبانِ لکھنؤ میں رنگِ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرت نام روشن شاعری کا ہو گیا

نہاں شانِ تغافل میں ہے رمزِ امتیاز اُسکا
بانداز جفا ہے التفاتِ دلنواز اُسکا

نگاہِ آرزو تابِ نگاہِ یار کیا لاتی
اگر حائل نہ ہو جاتا حجابِ کارساز اُسکا

غلط ہے شکوہ سنجی میرے عشقِ ناشکیبا کی
بجا کرتا ہے جو کرتا ہے حسنِ بے نیاز اُسکا

چھڑایا دم زدن میں دل کو فکرِ شادی و غم سے
قیامت پر اثر تھا جلوۂ حیرت نواز اُسکا

دیارِ شوق میں ماتم بپا ہے مرگِ حسرت کا
وہ وضعِ پارسا اُسکی وہ عشقِ پاکباز اُسکا

بر سرِ ناز وہ از راہِ کرم پہنچا تھا
شب عجب لطف کا سامان بہم پہنچا تھا

شرح بے مہریِ احباب کروں کیا حسرت
رنج اپنا دلِ مایوس کو کم پہنچا تھا

از بسکہ نازِ یار رشکِ عتاب تھا
جو کامیاب تھا وہی ناکامیاب تھا

اب آرزوئے شوق کی بیباکیاں کہاں
یعنی وہ سب لوازمِ عہدِ شباب تھا

حالت عجیب تھی دلِ بے اختیار کی
بزمِ خیال میں جو وہ بت بے حجاب تھا

اب میں ہوں اور تغافلِ بسیار کے گلے
وہ میں کہ موردِ کرمِ بے حساب تھا

حیرانیِ نگاہ سے حسرت جمالِ یار
تھا پردۂ حجاب میں گو بے نقاب تھا۔

یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا ۔ باوجودِ حسن تو آگاہِ رعنائی نہ تھا

عشقِ روز افزوں پہ اپنے مجھ کو حیرانی تھی ۔ جلوۂ رنگیں پہ تجھ کو نازِ یکتائی نہ تھا

دید کے قابل تھی میرے عشق کی بھی سادگی ۔ جبکہ تیرا حسن سرگرمِ خود آرائی نہ تھا

کیا ہوئے وہ دن کہ محوِ آرزو تھے حسن و عشق ۔ ربط تھا دونوں میں گو ربطِ شناسائی نہ تھا

تو نے حسرت کی عیاں تہذیبِ رسمِ عاشقی
اس سے پہلے اعتبارِ شانِ رسوائی نہ تھا

مٹتا ہے مٹائے سے اب شوق کہیں تیرا ۔ ہے پیشِ نظر ہر دم حسنِ تمکیں تیرا

اے قصرِ امارت کی ویرانی و بربادی ۔ کس گوشۂ عبرت میں سوتا ہے مکیں تیرا

آنکھوں کے تبسم نے سب کھول دیا پردہ ۔ پھر بھی نہ چلا جادو اے چینِ جبیں تیرا

جز کثرتِ محرومی جز غایتِ دلگیری ۔ مونس نہ ہوا کوئی اے جانِ حزیں تیرا

تھا سحر وہ کیا ایسا تاثیرِ محبت کا ۔ پڑھتے ہیں جو سب کلمہ اے دشمنِ دیں تیرا

جس نور سے روشن ہیں جانِ دلِ مشتاقاں ۔ شاید وہ تصدق ہے اے ماہ جبیں تیرا

مرغوبِ تمنا ہے محبوبِ دل و جاں ہے ۔ ہر وضعِ جفا تیری ہر شیوۂ کیں تیرا

ہم خوب سمجھتے ہیں حسرت سے تری باتیں
اقرار کا پردہ ہے انکار نہیں تیرا

سرگرمِ ناز آپ کی شانِ جفا ہے کیا ۔ باقی ستم کا اور ابھی حوصلہ ہے کیا

آنکھیں تری جو ہوشربائی میں فرد ہیں ۔ ان میں یہ سحر کاریِ رنگِ حیا ہے کیا

گر جوشِ آرزو کی ہے کیفیت یہی ۔ میں بھول جاؤں گا کہ مرا مدعا ہے کیا

آتے ہیں وہ خیال میں کیوں میرے بار بار ۔ عشقِ خدا نما کی یہی ابتدا ہے کیا

اک برقِ مضطرب ہے کہ اک سحرِ بیقرار
کچھ پوچھیے نہ وہ نگہِ فتنہ زا ہے کیا

اس درجہ دلپذیر ہے آہنگِ نغمہ کیوں
پنہاں لباسِ درد میں تیری صدا ہے کیا

چل بھی دیے وہ چھین کے صبر و قرارِ دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا

نزدیک بامِ یار سے ہے نردبانِ عشق
اے دل یہ جائے حوصلہ جو دیکھتا ہے کیا

حسرت جفائے یار کو سمجھا جو تو وفا
آئینِ اشتیاق میں یہ بھی روا ہے کیا

مجھکو خبر نہیں کہ مرا مرتبا ہے کیا
یہ تیرے التفات نے آخر کیا ہے کیا

ملتیں کہاں گدازِ طبیعت کی لذتیں
رنجِ فراقِ یار بھی راحت فزا ہے کیا

حاضر ہے جانِ زار جو چاہو مجھے ہلاک
معلوم بھی تو ہو کہ تمھاری رضا ہے کیا

ہوں دردِ لا دوائے محبت کا مبتلا
مجھکو خبر نہیں کہ دوا کیا دعا ہے کیا

میری خطا پہ آپ کو لازم نہیں نظر
یہ دیکھیے مناسبِ شانِ عطا ہے کیا

ہیں بہترین صلح یہ ظاہر کی رنجشیں
ناحق ہوں میں ملول وہ مجھسے خفا ہے کیا

گردیدہ جس سے تو ہے خبر بھی نہیں اسے
پھر تیرے اضطراب کی حسرت بنا ہے کیا

کیا کہیے آرزوے دلِ مبتلا ہے کیا
جب یہ خبر بھی ہو کہ وہ رنگیں ادا ہے کیا

کافی ہیں میرے بعد پشیمانیاں تری
میں کشتۂ وفا ہوں مرا خوں بہا ہے کیا

وقتِ کرم نہ پوچھیے گا لطفِ عمیمِ یار
رندِ خراب حال ہے کیا پارسا ہے کیا

دیکھو جسے ہے راہِ فنا کی طرف رواں
تیری محل سرا کا یہی راستا ہے کیا

ہم کیا کریں اگر نہ تری آرزو کریں
دنیا میں اور بھی کوئی تجھ سے سوا ہے کیا

یوں شکرِ جور کرتے ہیں تیرے ادا شناس
گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں گلا ہے کیا

رونے لگے ابھی سے کہ ہے ابتدائے حال
تم نے ابھی فسانۂ حسرت سنا ہے کیا

ہم بندگانِ درد پہ عشقِ جفا ہے کیا
دلجوئیِ وفا کا یہی مقتضا ہے کیا

محرومیوں نے گھیر لیا ہے خیال کو
اے عشقِ یار تیری یہی انتہا ہے کیا

شوقِ لقائے یار کہاں ہیں حریمِ جاں
اے جانِ بیقرار تجھے یہ ہوا ہے کیا

ہو جائیگی کبھی تو کبھی جان نذرِ یار
بیمارِ عشق ہم ہیں ہماری شفا ہے کیا

لاکھوں کو جس نے صبر سے بیگانہ کر دیا
کیا اسکے ہیں آہ وہ نگہِ آشنا ہے کیا

گرویدہ اسقدر ہے جو محرومیوں سے دل
اے دردِ یار تیری اسی میں بقا ہے کیا

سودائے عشقِ یار ملامت کی جا نہیں
حسرت کو پیرِ عشق یہ سمجھا رہا ہے کیا

غضب ہے دل کا حالِ شوق اُنسے مجمل کہنا
مگر کہا ہے کو مانے گا پابندِ اجل کہنا

ارادے تھے کہ اُنسے حالِ دل سب ملکے کہدینگے
مگر ملتے ہی ہم سے آج ہوتا ہے نہ کل کہنا

غضب میں جان ہے پابندیِ آدابِ الفت سے
کہ ہر ہر بات کو در پردہ کہنا فی المثل کہنا

الٰہی کیا ہوسے وہ ولولے آغازِ وحشت کے
کہ ابتو ہم ہیں اور افسانۂ دشت و جبل کہنا

مقرر ہے خیالِ یار کی یہ کارفرمائی
نہ ہوتا ورنہ ہم فرقت کے ماروں سے غزل کہنا

فنا ہو جاتے ہم کارِ محبت میں تو بہتر تھا
کہ یوں پڑتا نہ حال ہائے لگ دستِ شل کہنا

پسند آیا طریقِ شاعری تیرا ہمیں حسرت
کہ حسب کہنا کبھی کچھ نثر کہنا بے بدل کہنا

فراقِ یار میں مصرف غم کھانے سے کیا ہوگا
اگر مر بھی گئے اب ہم تو مر جانے سے کیا ہوگا

ہجومِ آرزو کی کہہ رہا ہے داستاں سہرا
اگر نوشاہ کے دل کا بنا ہے ترجماں سہرا

سرِ ہر تار سے کلیاں جلوے کی پیدا ہیں
چھپا لیگا کہاں تک حسن لٹتے مہوشاں سہرا

ہوا سے ہلتی ہیں لڑیاں کہ قربت رخ روشن سے
وفورِ شوق میں کرنے لگا بتیاں بیاں سہرا

رخِ نوشاہ اگر اک گلستانِ حسن و خوبی ہے
تو اس گلشن کے حق میں ہے بہارِ بوستاں سہرا

نمایاں ہو گیا کچھ اور حسرت حسنِ یار اس سے
نگاہِ شوق سے ناحق ہوا تھا بدگماں سہرا

ادا نہ ہم سے ہوا حق تری غلامی کا
نصیبِ شوق رہا داغ ناتمامی کا

کھچی ہیں راہِ تمنا میں سیکڑوں آنکھیں
کہ ناز جلوہ کرے تیری خوشخرامی کا

کھلے نہ ہم سے خموشانِ آرزو کی زباں
جو اتفاق بھی ہو اُن سے ہمکلامی کا

حضور مجھ پہ نہ ضائع کریں عطا اپنی
کہ مستحق ہوں جفا ہائے التزامی کا

بقدرِ شوق کہاں تابِ التماس ہمیں
لکھیں جواب جو اُس نامہ گرامی کا

بہت ہے میرے لیے جو نگاہ کی یاد
امیدوار نہیں التفاتِ سامی کا

نہاں نہ ہو کہ غمِ یار میں ستم حسرت
بہت سمجھیے اظہار شادکامی کا

راحت کو اضطراب سے مقرون کر دیا
ان سرخ پوشیوں نے تو دل خون کر دیا

بتیاں بیاں ہیں عام کہ اُس حسنِ شوخ نے
دنیا سے محوِ صبر کا مضمون کر دیا

کیا کہیے اُن سوادِ رنگیں کی دلکشی
خوبی نے جن کی عقل کو مجنون کر دیا

اب دل ہے اور فرقتِ حیرت کہ یاس نے
تکلیفِ انتظار سے مامون کر دیا

منسوب کر کے حسرت عاصی سے خلق نے
جذباتِ پاکِ شوق کو مطعون کر دیا

اک برقِ طپاں ہے کہ تکلم ہے تمہارا | اک سحر ہے لرزاں کہ تبسم ہے تمہارا
پایا جو مجھے درپئے اظہارِ تمنا | پھر لے وہ سراسر یہ توہم ہے تمہارا
آنکھوں سے ہے خمیازۂ بیدار کو شکوہ | کچھ آج غضب رنگ تلاطم ہے تمہارا
دیکھے تو جبیں کوئی محبت کی نظر سے | کیا خوب یہ اندازِ تحکم ہے تمہارا

اب اُن سے کہو آرزوِ شوق نہ حسرت
وہ حسنِ بیاں آج کہاں گم ہے تمہارا

ردیف "ب"

صحبتِ اہلِ عشق و شغلِ شراب | تھا یہی مقتضائے عہدِ شباب
کس قدر سبز و تر ہے کشتِ امل | گریۂ ہجر سے ہے شاداب
غیر پر دیکھ کر کرم تیرا | ہو گئی جانِ آرزو بیتاب
عشق سے ہے کہاں روائے حسن | اس قدر اہتمامِ شرم و حجاب
ہم کو یکساں ہے لطف ہو کہ جفا | ہم کہ ہیں بادۂ وفا کے خراب
جان بھی دی بپاسِ شوق مگر | ہے کھنچا انتظارِ جواب
مذہبِ عشق ہے پرستشِ حسن | ہم نہیں جانتے ثواب و عذاب
قدر ناشناس ہے جفا تیری | ورنہ جنسِ وفا نہیں کمیاب
ہے مرے شوقِ بیکراں کا شمار | نہ تری شرمِ ناروا کا حساب

لطفِ جاناں ہے جور کی تمہید
دیکھ حسرت نہ کھا فریبِ سراب

ردیف "ت"

جانفزا تھی کسقدر یارب ہوائے کوئے دوست
بسگئی جس سے مشامِ آرزو میں بوئے دوست

بیخودی میں اب نہیں کچھ امتیازِ وصل و ہجر
رات دن پیشِ نظر ہے جلوۂ پہلوئے دوست

ہو چکی اب ہم گرفتارانِ فرقت کو نصیب
آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردۂ گیسوئے دوست

اہلِ دل کرنے لگے ہیں جسکو نقشِ لوحِ جاں
ہے الف اسکا یا قامتِ دلجوئے دوست

بنگئی محفل کی محفل اک طلسمِ بیخودی
چل گیا آخر فسونِ نرگسِ جادوئے دوست

رہگئی ناکام و حیراں میری چشمِ اشتیاق
کامیابِ نور تھا کسقدر حسنِ روئے دوست

شعرِ حسرت نے یہ مانا کہ نازک ہے بہت
اُس سے بھی کچھ بڑھکے نازک ہے مگر خوشبوئے دوست

جو نازِ حسن سے کی تھی کبھی غرور کی بات
سو آج تک ہے مجھے یاد وہ حضور کی بات

بدیر جا کے ہوا ختم سلسلہ اسکا
چلی جو اہلِ خرابات میں سرور کی بات

مزاجِ یار مکدر عدو سے کیوں ہوتا
ضرور کوئی نہ کوئی ہوئی فتور کی بات

میں دل کی آنکھ سے دیکھوں جو ہمسرے انھیں
کہ پھر ہو پیشِ نظر وہ کوہِ طور کی بات

نہ پوچھیے کہ ہوئی حسن کی عجب حالت
سنی جو پہلے پہل عشقِ ناصبور کی بات

ملے بھی وہ تو غرورِ جمال سے نہ سنی
زبانِ دل سے تمنائے بے شعور کی بات

وہ بے سبب ہیں خفا مجھ سے کیا کہوں حسرت
مجھے تو یاد نہیں ہے کوئی قصور کی بات

ردیف "ج"

رنگ یہ لایا ہجومِ ساغر و پیمانہ آج — بھر گئی سیرابیوں سے محفلِ رندانہ آج

سبکہ زیبِ انجمن ہے جلوہ جانانہ آج — ہے سراپا آرزو ہر عاشقِ دیوانہ آج

یہ ہوا پیدا ہوں پر نشۂ مے کا اثر — کہدیا سب اُس سے حالِ شوقِ گستاخانہ آج

رشک سے مٹ مٹ گئے ہم تشنہ کامانِ وصال — جب ملا لبہائے ساقی سے لبِ پیمانہ آج

ہے فروغِ بزمِ یکتائی جو وہ شمعِ جمال — آگئی ہے دل میں بھی بیتابیِ پروانہ آج

ہیں سرورِ وصل سے لبریز مشتاقوں کے دل — کر رہی ہیں آرزوئیں سجدۂ شکرانہ آج

حسرتیں دل کی ہوئی جاتی ہیں پامالِ نشاط — ہے جو وہ جانِ تمنا رونقِ کاشانہ آج

غرق ہے رنگینیوں میں مستیوں سے چور چور — ہے سراپا بیخودی وہ نرگسِ مستانہ آج

میہمانِ خانۂ دل ہے جو وہ رشکِ ہما — ہو گیا ہے غیرتِ فردوس ویرانہ آج

مل گیا اچھا سہارا عذرِ مستی کا ہمیں — لے لیا آغوش میں اُس گل کو بیتابانہ آج

خم لگادے ہم بلا نوشوں کے منہ سے ساقیا — کام آئیگا نہ ساغر آج نے پیمانہ آج

دیکھیے اب رنگ کیا لائے وہ حسنِ دلفریب — آئینہ پیشِ نظر ہے ہاتھ میں ہے شانہ آج

میں ہی اے حسرت نہیں محوِ جمالِ روئے یار
پڑ رہی ہیں سب نگاہیں اسپہ مشتاقانہ آج

ردیف "ح"

اے غمِ عشق اے متاعِ فلاح — اہلِ دل کیوں نہ ہوں ترے مداح

ہمکو صبر و سکوں نہیں درکار | دلِ مضطر کی بھی یہی ہے علاج
بے خبر ماجرائے عالم سے | ہم ہیں وحشتِ خیال کے محتاج
ہے زبانِ وصالِ یار کی یاد | بابِ فردوسِ عیش کی مفتاح
ہم بھی مشتاق ہیں شہادت کے | لے تجھے خونِ اہلِ شوق مباح
غم ترا مایۂ سرورِ قلوب | یاد ہے تیری مونسِ ارواح

اب کہاں ہجرِ یار میں حسرت
لذتِ اکلِ شام و شربِ صباح

ردیف "خ"

خونِ بیجرمی سے اپنی دیکھکر تلوار سرخ | ہو گئی مارے ندامت کے جبینِ یار سرخ
آشکارا ہے جہاں میں ہر طرف رنگِ بہار | سبزہ تر ہے صحنِ گلشن و ابرِ کہسار سرخ
دیکھیے کس کس کو اعزازِ شہادت ہو نصیب | آج نکلا ہے بدلکر رنگ وہ عیار سرخ
اس قدر کیں مستیاں ہم بادہ خواروں نے کہ آج | ہو گیا سب رنگ مے سے خانۂ خمار سرخ

مل گیا حسرت شہیدانِ وفا کا خونبہا
ہو گئی ہیں روتے روتے ہر دو چشمِ یار سرخ

ردیف "د"

دشوار ہے اے ملامت اے پند | ہوں اہلِ جنوں خرد کے پابند
شرمندہ جو ہو نہ وہ شوخ | اربابِ وفا ہیں یوں بھی خورسند

زیبا نہیں فرقِ عاشقی سے
دستارِ جنوں میں غم کا پیوند

سیکھا ہے کہاں سے لے لبِ یار
یہ شیوۂ دلکشِ شکرخند

مہمانِ فراق ہے تری یاد
بیخود ہے خیالِ آرزومند

لے صبر و سکوں سے کام حسرت
ق
آئینِ وفا کی تجھکو سوگند

یہ ماتمِ روزِ وصل تا کے
یہ گریۂ بیقرار تا چند

مجبور مجھکو جان کے عہدِ وفا کے بعد
بے مہریاں وہ کرنے لگے انتہا کے بعد

اہلِ رضا کی جان ہے اتنی سی یہ امید
کچھ اور بھی ہے اس ستمِ بر ملا کے بعد

مجبوریِ سوال سے اس چشمِ ناز میں
منظوریوں کا رنگ عیاں ہے حیا کے بعد

نے راحتِ سرور نہ تکلیفِ اضطراب
باقی نہیں ہے کچھ بھی دلِ مبتلا کے بعد

ہم مرمٹے تو زندۂ جاوید ہو گئے
ہمکو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد

افزوں ہوئیں کچھ اور محبت کی شورشیں
تجدیدِ آرزو جو ہوئی التوا کے بعد

دامانِ صبر ہاتھ سے حسرت نہ چھوڑیو
گر خواہشِ طرب ہے ہجومِ بلا کے بعد

ردیف ذ

کچھ دردِ دل سے بڑھکے ہے دردِ جگر لذیذ
تجھسے ہیں جتنے درد وہ سب ہیں مگر لذیذ

مایوسیوں سے کام نہ لے جانِ مبتلا
رنجِ فراقِ یار بھی ہے سربسر لذیذ

جانِ حزیں کو بھول گئی سختیِ فراق
کچھ اسقدر ہے گریۂ وقتِ سحر لذیذ

کہتا ہے کون شورشِ باطن کو بیمزا
مرغوبِ شوق کیوں ہے نہیں ہے اگر لذیذ

اشکِ وفا سے دامنِ حسرت ہوا نہ تر
پی جائے گر نہ پاکے انہیں چشمِ تر لذیذ

ردیف ر

صبر مشکل ہے ضبط ہے دشوار — دل وحشی ہے اور جنون بہار

کشمکش میں ہے کار فرمائی شوق — مجھکو ابرام ہے انھیں انکار

دل مایوس میں ہے نقش امید — یا مسافر کوئی غریب دیار

ق

لطف کر لطف اے سراپا ناز — تجھپہ رنگینی بہار نثار

دل عشاق میں امید کے جام — بادۂ اشتیاق کے سرشار

اے تری ذات مجمع ضدین — حسن سب نور ہے تو خوب نگار

ق

غیر ممکن ہے ہم سے طاعت غیر — اے جفا کار بے غریب آزار

روح آزاد ہے خیال آزاد — جسم حسرت کی قید ہے بیکار

اب تو اٹھ سکتا نہیں آنکھوں سے بار انتظار — کس طرح کاٹے کوئی لیل و نہار انتظار

انکی الفت کا یقیں ہو انکے آنے کی امید — ہوں یہ دونوں صورتیں تب ہے بہار انتظار

عمر بیچے صرف یاد گیسو و رخسار یار — یوں بسر کیا ہے لیل و نہار انتظار

جان و دل کا حال کیا کہیے فراق یار میں — جان مجروح الم ہے دل فگار انتظار

کیا ہوئیں آسانیاں وہ روزگار وصل کی — اب تو ہم ہیں اور رنج بے شمار انتظار

میری آہیں نارسا میری دعائیں نامقبول — یا الٰہی کیا کروں میں شرمسار انتظار

صبر کی طاقت نہیں باقی دل مایوس میں — دیکھیے کیونکر بسر ہو روزگار انتظار

راہ تیری اسقدر دیکھی کہ اے غفلت شعار — میری آنکھیں بن گئیں سرمایہ دار انتظار

اسکے خط کی آرزو ہے انکی آمد کا خیال — کسقدر پھیلا ہوا ہے کاروبار انتظار

ہے دلِ مسرورِ حسرت اک طربزارِ امید
پھونک ڈالے گریہ اس گلشن کو نارِ انتظار

عشق کی روحِ پاک کو تحفۂ غم سے شاد کر
اپنی جفا کو یاد کر میری وفا کو یاد کر

جان کو محوِ غم بنا دل کو وفا نہاد کر
بندۂ عشق ہے تو یوں قطع رہِ مراد کر

غمزۂ دل فریب کو اور بھی جاں فزا بنا
پیکرِ نازِ حسن پر رنگِ حیا زیاد کر

خرمیِ دو روزہ کو عشرتِ جاوداں بنا
فکرِ معاش سے گذر حوصلۂ معاد کر

اے کہ نجاتِ ہند کی دل سے ہے تجھکو آرزو
ہمتِ سربلند سے یاس کا انسداد کر

قول کو زید و عمر کے جد سے سوا اہم بنا
روشنیِ ضمیر میں عقل سے اجتہاد کر

حق سے بعذرِ مصلحتِ وقت پہ جو کرے گریز
اسکو نہ پیشوا سمجھ اس پہ نہ اعتماد کر

خدمتِ اہلِ جور کو کر نہ قبول زینہار
فن و ہنر کے زور سے عیش کو خانہ زاد کر

غیر کی جد و جہد پہ تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ
کوششِ ذاتِ خاص پر ناز کر اعتماد کر

غضب ہے کہ پابندِ اغیار ہو کر
مسلماں رہیں یاں یوں خوار ہو کر

اُٹھے ہیں جفا پیشگانِ مہذب
ہمارے مٹانے پہ تیار ہو کر

تقاضائے غیرت یہی ہے عزیزو
کہ ہم بھی رہیں اُن سے بیزار ہو کر

کہیں صلح و نرمی سے رہتا ہے دیکھو
نہ یہ عقدۂ جنگ دشوار ہو کر

وہ ہمکو سمجھتے ہیں احمق جو حسرت
وفا کے ہیں طالب دل آزار ہو کر

ردیف "ز"

چلتا ہے روز دورِ مئے ارغواں ہنوز
جاری ہے فیضِ محفلِ پیرِ مغاں ہنوز

ردیف "س"

ہے غضب ہنگامۂ فصلِ بہار اب کی برس
دل پہ کاہے کو ہوگا اختیار اب کی برس

ہے جنونِ شوق ابھی سے بیقرار اب کی برس
کیا غضب ڈھائیگا طوفانِ بہار اب کی برس

کامیابی جلد ہوگی آکے پابوسِ امید
کھینچ ڈالیں اور رنجِ انتظار اب کی برس

حادثے مشتاق ہیں گذرے بہت اب دیکھیے
کیا دکھائے گردشِ لیل و نہار اب کی برس

فرقتِ ساقی میں ہم حسرت کشانِ بادہ سے
ملکے رویا خوب ابرِ نو بہار اب کی برس

دیں ترکِ محبت کو ہوئیں پھر اے عجب
یاد پھر یار آتی ہے کیوں بے اختیار اب کی برس

جوشِ گل کی ہیں یہی کیفیتیں تو کیا عجب
شاخِ بلبل سے قفس ہو لالہ زار اب کی برس

حسرت شوریدہ سر ہے پائمالِ اشتیاق
اس طرف بھی کر گذر اے شہسوار اب کی برس

ردیف "ش"

پیمانِ وفا نہ کر فراموش
اے حسرتِ بیقرار خاموش

دیوانۂ حسنِ پاکدامان
ہے پردۂ دل میں عشق روپوش

اس عشوۂ ناز میں کے جلوے
ہیں دشمنِ عقلِ مصلحت کوش

پوشیدہ سکونِ یاس میں ہے
اک محشرِ اضطراب خاموش

آزاد ہیں قید میں بھی حسرت
ہم دل شدگانِ خود فراموش

سب ہیں تری انجمن میں خاموش
نظارۂ حسن کا کسے ہوش

بیہوش کیا ہے سب کو تو نے
اب جسکو خدا دے ہوش دے ہوش

ہو جاؤ نثار حیرتِ عشق — اے دانش و اے قرار و اے ہوش
تم آئے کہ ختم ہو گئے ہم — باقی تھے مگر اسی لیے ہوش

ہم عرصۂ حشر میں بھی حسرت
پہچان گئے اُنھیں نرے بے ہوش

ردیف "ص"

یورپ میں ہے جیسے پھیل گئی ہے وبائے حرص — چلنے لگے نہ سارے جہاں میں ہوائے حرص
ہے چین و کوریا کے مٹانے پہ مستعد — جاپان بھی ہوا ہے مگر آشنائے حرص

ردیف "ض"

جانِ وفا شعار کو شکوۂ غم سے کیا غرض — عذرِ جفا سے کام کیا عرضِ کرم سے کیا غرض
سرخوشیہائے شرابِ شکوہ سے کیا غرض — مستِ الفت ہیں ہمیں اس آرزو سے کیا غرض

ردیف "ط"

دل ہے غرقِ شادمانی جان سیرابِ نشاط — وصل کی شب ہے بہم ہیں جملہ اسبابِ نشاط
ہے جہانِ آرزو میں آج گویا روزِ عید — چل رہی ہے محفلِ دل میں مئے نابِ نشاط
حسرتیں رقصِ طرب میں آرزو محوِ سرود — بہجت نے کھولا ہے رخِ شوق پر بابِ نشاط
ہیں فراہم اہلِ ذوق آمادہ ہے بزمِ طرب — اہتمامِ نغمہ سنجی میں ہیں اربابِ نشاط
ہو گئی جوشِ تمنا سے مبدل بیخودی — سازِ حیرت پر لگی جس وقت مضرابِ نشاط
کامیابِ عیش ہے جب سے دلِ عشرت نصیب — آرزو کے سر سے گذرا جائے ہے آبِ نشاط
ہے غرض ہر سمت اک ہنگامۂ شادی بپا — کچھ نہیں چلتی ملامت گر کی دربابِ نشاط
چل سکے گا اب نہ قابو دل پہ رعبِ حسن کا — یادِ مجبوریٔ حیا ہے میں ہوں بیتابِ نشاط

ساز و سامانِ خرد سرمایۂ ہوش و حواس
آج لیجائے بہا کر سب کو سیلابِ نشاط

رشک سے بیتاب ہے نیرنگیٔ دورِ فلک
ہوشیار رہنا اے بےخبر اے غافلِ خوابِ نشاط

ہے اسی کا نام حرمان اہم اے وصلِ یار
خاطرِ محروم حسرت کو نہیں تابِ نشاط

ردیف "ظ"

کچھ ہمکو عجب گریۂ مستی میں ملا حظ
ایسا تو کسی شے میں نہ ہوگا بخدا حظ

کیا آئے اگر آئے بھی دم بھر کیلئے تم
اس سے تو بڑھا دردِ جگر اور کیا حظ

مرغوبِ دل و جانِ تمنا ہے نہ کیوں ہو
رکھتا ہے غمِ شوق ترا حد سے سوا حظ

پوچھے کوئی رندانِ سیہ مست کے جی سے
کیا کچھ نہ اُنھیں خدمتِ ساقی میں ملا حظ

اچھا ہے اگر فصلِ گل آئی ہے جہاں میں
کیا اس سے مگر پائینگے ہم بے سر و پا حظ

تم مشقِ جفا چھوڑ دو گر ہو تمھیں معلوم
رکھتی ہے جو پابندیٔ آئینِ وفا حظ

ہے پاسِ ادب رسمِ قدیمِ شعرا کا
حسرت نہیں اس قسم کے اشعار میں کیا حظ

ردیف "ع"

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع
الوداع اے مونسِ جاں الوداع

تجھسے روشن تھا سوادِ ملکِ جاں
اے چراغِ نورِ ایماں الوداع

اے زمانِ رحمتِ حق الفراق
اے محبِّ اہلِ عصیاں الوداع

اے نشانِ شانِ صبر و فقر و عشق
شاہدِ عشاقِ حیراں الوداع

لذتِ افطار و اے لطفِ سحر
تم میں تھا عیشِ فراواں الوداع

عین راحت تجھ سے تھی تکلیفِ قید
اے انیس اہلِ زنداں الوداع

قدر جانی کچھ نہ تیری اے عزیز
تجھ سے حسرت ہے پشیماں الوداع

ردیف "غ"

دل نہ تھا رنجِ ہجرِ یار کا داغ
کیا ہوا آہ وہ زمانِ فراغ

گر نہ ہم غمزدوں پہ چور اتنا
گُل نہ ہو جائے عاشقی کا چراغ

چھیڑنا حق نہ اے نسیمِ بہار
سیرِ گُل کا یہاں کسے ہے دماغ

ہے وہ اک لالہ زارِ ناکامی
دل نے کھائے ہیں یکبہ دیگر داغ

ہم نے ڈھونڈھا بہت مگر حسرت
نہ ملا دل میں خرمی کا سراغ

ردیف "ف"

وہ شوخ عجب کیا ہے مجھ سے جو نہیں واقف
گمناموں سے ہوتا ہے کوئی بھی کہیں واقف

ہم عشق کے بندوں کو اسلام سے کیا مطلب
اس بات سے خود ہوگا وہ دشمنِ دیں واقف

تقریبِ محبت کی کیا خوب وہ تھی ساعت
جس وقت ہوا مجھ سے وہ ماہ جبیں واقف

ناکامیِ بے حد کا رہتا ہے کرم ہم پر
ہم درد کے خوگر ہیں درماں سے نہیں واقف

بیکار تو لے دولتِ حسرت کو نہ دے لالچ
ہے تیرے کھٹولوں سے وہ خاک نشیں واقف

ردیف "ق"

تجھ سے ہے حسنِ جمالِ دو جہاں کی رونق
اے تری یاد مرے خانۂ جاں کی رونق

یاد میں اُس گلِ رعنا کے جو ٹپکے آنسو
بن گئے دیدۂ خونابہ فشاں کی رونق

جاگزیں جب سے ہوئی تیری محبت دل میں
بڑھ گئی اور بھی اس جنسِ گراں کی رونق

مقدمِ یار کی آنکھوں میں بسی ہے جو بہار
قابلِ دید ہے چشمِ نگراں کی رونق

ہر طرف رندی و مستی کا نمودار ہے رنگ
ہے خرابی سے خراباتِ مغاں کی رونق

کیا نہیں شوقِ شہادت کو یہ کافی اعزاز
کہ ہوا سر ہے ترے نوکِ سناں کی رونق

تیرے حسنِ نظر افروز کے جلوے اے شوخ
ہو گئے ہیں نگہِ دیدہ وراں کی رونق

شعر سے تیرے ہوئی تشنگیٔ میر کے بعد
تازہ حسرتؔ اثر و حسنِ بیاں کی رونق

وصل کی شب زوال ہے سوئے فراق
آ چلی لو ہوا میں بوئے فراق

اشک بھر لائے وہ بھی وقتِ سحر
جب چلی آہ گفتگوئے فراق

خود ہیں وہ جانِ آرزوئے وصال
یاد ہے اُنکی آبروئے فراق

خوش تھا سے وصلِ یار کے بعد
اب دکھائے خدا نہ روئے فراق

پھر افزائشِ سرودِ وصال
شوق کو پھر ہے جستجوئے فراق

کون اُنکی فراموشی سے کرے
عرضِ احوالِ موبموئے فراق

غلغلِ عہدِ عیش سے حسرتؔ
بڑھ گیا ہے شور ہائے ہائے فراق

ردیف "ک"

محروم طرب ہے دلِ دلگیر ابھی تک
باقی ہے ترے عشق کی تاثیر ابھی تک

وصل اس بتِ بدخو کا میسر نہیں ہوتا
وابستۂ تقدیر ہے تدبیر ابھی تک

اک بار ہنسی تھی سو مرے دل میں ہے موجود
اے جانِ تمنا تری تقریر ابھی تک

سیکھی تھی جو آغازِ محبت میں قلم نے
باقی ہے وہ رنگینیِ تحریر ابھی تک

اس درجہ نہ بیتاب ہو اے شوقِ شہادت
ہے میان میں اس شوخ کی شمشیر ابھی تک

کہنے کو تو میں بھول گیا ہوں مگر اے یار
ہے خانۂ دل میں تری تصویر ابھی تک

بھولی نہیں دل کو تری دزدیدہ نگاہی
پہلو میں ہے کچھ کچھ خلشِ تیر ابھی تک

تھے حق پہ وہ بیشک کہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا
دنیا میں بپا ماتمِ شبیرؓ ابھی تک

گزرے بہت استاد مگر رنگِ اثر میں
بیمثل ہے حسرت سخنِ میر ابھی تک

ردیف "گ"

بکھرے ترے رخِ روشن پہ جو ہیں گیسوئے شب رنگ
نکلا ہے ترے حسنِ دل آرا کا غضب رنگ

کیا کیجیے بیاں اس تنِ نازک کی حقیقت
خوشبو میں ہے گل بو تو لطافت میں ہے سب رنگ

سب سیکھ لیا غیر سے افسونِ شرارت
باقی وہ کہاں سادگیِ یار کا اب رنگ

اک چشمۂ حسرت ہے کہ آنکھوں سے ہے جاری
عشاق کا ہے صدمۂ ہجراں سے عجب رنگ

پوچھو نہ شبِ وصل کی لذت کہ ابھی تک
بدلا ہے رخِ شوق کا اندوہ سے طرب رنگ

دل خون ہوئے جاتے ہیں اربابِ نظر کے
رکھتی ہے قیامت کا تری سرخیِ لب رنگ

حسرت تری اس پختہ کلامی کی ہے کیا بات
پایا ہے کسی اور سخنور نے یہ کب رنگ

عہدِ مستی کے اب کہاں وہ ڈھنگ | ساغرِ بادہ ہے نہ کاسۂ بنگ

ایسی پھر شب نصیب ہو کہ نہ ہو | ساقیِ ماہ وش کرے نہ درنگ

ق

خوب تھا وہ زمانِ رسوائی | خوب تر تھی وہ عشق و عقل کی جنگ

آہ وہ شہر کانپور کی شام | وہ لبِ نہر وہ کنارۂ گنگ

ہیں طلبگارِ شوقِ گوناگوں | حسن تیرے کے جلوہ ہائے رنگا رنگ

بڑھ چلا جوشِ آرزو حسرت
ختم ہونے کو آئی قیدِ فرنگ

ردیف "ل"

از بسکہ حسنِ یار ہے خوبی سے جانِ دل | لائے کہاں سے روز کوئی ارمغانِ دل

راہِ وفا میں تھہر ہوئی ظلمتِ فراق | محرومیوں نے لوٹ لیا کاروانِ دل

اب قطرہ خوں بھی سینۂ عشاق میں نہیں | اُس شوخ کو گماں ہے ابھی تک گمانِ دل

ٹھہرا ہے اک نگاہِ کرم پر معاملہ | سلے لطفِ یار مفت ہے جنسِ گرانِ دل

ہیں خونِ آرزو سے جو سیرابِ باغِ یاس
ہر رنگ نو بہار ہے حسرت خزانِ دل

ردیف "م"

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام | دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام

حیرت غرورِ حسن سے، شوخی سے اضطراب | دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام

اُف ری جسمِ یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

دل خون ہو چکا ہے جگر ہو چکا ہے خاک
باقی ہوں میں مجھے بھی کر اے تیغ زن تمام

دیکھو تو چشمِ یار کی جادو نگاہیاں
بیہوش اک نظر میں ہوئی انجمن تمام

ہے نازِ حسن سے جو فروزاں جبینِ یار
لبریز آبِ نور ہے چاہِ ذقن تمام

نشو و نما ہے سبزہ و گل ہے بہار میں
شادابیوں نے گھیر لیا ہے چمن تمام

اُس نازنیں نے جب سے کیا ہے وہاں قیام
گلزار بن گئی ہے زمینِ دکن تمام

اچھا ہے اہلِ جور کیے جائیں سختیاں
پھیلے گی یوں ہی شورشِ حبِ وطن تمام

سمجھے ہیں اہلِ شرق کو شاید قریبِ مرگ
مغرب کے یوں ہیں جمع یہ زاغ و زغن تمام

شیرینیِ نسیم ہے سوز و گدازِ میر
حسرت ترے سخن پہ ہے لطفِ سخن تمام

ردیف "ن"

کام لوں ناکامیوں سے عشق کا کیا کیا کروں
ہو کے واقف لطفِ غم سے رات دن رویا کروں

بڑھ چلا تھا حد سے جو پُر شیوۂ بیگانگی
ورنہ میں اور اُس سراپا ناز کا شکوا کروں

وصل کی شب بھی ہوئی جاتی ہے صرفِ اضطراب
اس ہجومِ آرزو کو یا الٰہی کیا کروں

جان کر مجھ پر ستم بھی ہو تو ہے منظورِ شوق
لطفِ بے پروائی میں کیا قدر کیوں پروا کروں

مجھ سے تم چھپنے لگے اچھا کیا یوں ہی سہی
دور جو میں اب دیدۂ دل سے تمہیں دیکھا کروں

سچ ہے لطفِ بندہ پرور کا ہوں اک ادنیٰ غلام
میری کیا طاقت کہ عشقِ یار کا دعویٰ کروں

ہے یہی شرطِ وفاداری کہ بیچون و چرا
وہ مجھے چاہے نہ چاہے میں اُسے چاہا کروں

اے ستمگر تجھ سے گو ترکِ وفا ممکن نہیں
میں کروں لیکن کبھی ایسا تو کیا بیجا کروں

حسرت اُس دیر آشنا کی آرزو آساں نہیں
دل میں پہلے ضبطِ غم کا حوصلہ پیدا کروں

آوارۂ دشتِ جستجو ہیں
ہم خانہ بدوشِ آرزو ہیں

رندوں پہ یہ کیا ستم ہے ساقی
ساغر خالی ہیں پُر سبو ہیں

دشوار ہے اہتمامِ تمکیں
ہمسر کہ ہلاکِ گفتگو ہیں

اس درجہ غرور ناروا ہے
مانا کہ حضور خوبرو ہیں

ناواقفِ بے ثباتیِ گل
بلبل ہیں کہ محوِ رنگ و بو ہیں

ہم زخمیِ تیغِ عشق حسرت
بیگانۂ خواہشِ رفو ہیں

بدلِ لذتِ آزار کہاں سے لاؤں
اب تجھے اے ستمِ یار کہاں سے لاؤں

پرسشِ حال پہ ہے خاطرِ جاناں مائل
جرأتِ کوششِ اظہار کہاں سے لاؤں

ہے وہاں شانِ تغافل کو جفا سے بھی گریز
التفاتِ نگہِ یار کہاں سے لاؤں

نور عنقا ہے شبِ ہجر کی تاریکی میں
جلوۂ صبح کے آثار کہاں سے لاؤں

صحبتِ اہلِ صفا خوب ہے مانا لیکن
رونقِ خانۂ خمّار کہاں سے لاؤں

شعر میرے بھی ہیں پُر درد و لیکن حسرت
میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

اے تلک اے افتخارِ جذبۂ حبِّ وطن
حق شناس و حق پسند و حق یقین و حق سخن

تجھ سے قائم ہے بنا آزادیِ بیباک کی
تجھ سے روشن اہلِ اخلاص و صفا کی انجمن

سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزندِ ہند — خدمتِ ہندوستاں میں کلفتِ قیدِ محن

ذات تیری رہنمائے راہِ آزادی ہوئی — تھے گرفتارِ غلامی ورنہ یارانِ وطن

تو نے خودداری کا پھونکا اے تلک ایسا فسوں — کہ قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسمِ کہن

ناز تیری پیروی پر حسرتِ آزاد کو
ہے تجھے قائم رکھے تا دیر ربِ ذوالمنن

خوبرویوں کی یاریاں نہ گئیں — دل کی بے اختیاریاں نہ گئیں

عقلِ صبر آزما سے کچھ نہ ہوا — شوق کی بے قراریاں نہ گئیں

دن کی صحرا نوردیاں نہ چھٹیں — شب کی اختر شماریاں نہ گئیں

ق

ہوش یاں سدِ راہِ علم رہا — عقل کی ہرزہ کاریاں نہ گئیں

تھے جو ہم رنگِ ناز اُن کے ستم — دل کی امیدواریاں نہ گئیں

حسن جب تک رہا نظارہ فروش — صبر کی شرمساریاں نہ گئیں

طرزِ مومن میں مرحبا حسرت
تیری رنگیں نگاریاں نہ گئیں

مٹے دنیا سے یاریاں نہ گئیں — میری پرہیزگاریاں نہ گئیں

مر کے بھی خاکِ راہِ یار ہوئے — اپنی الفت شعاریاں نہ گئیں

اشکباری سے سوزِ دل نہ مٹا — آہ کی شعلہ باریاں نہ گئیں

حسن کی دلفریبیاں نہ گھٹیں — عشق کی تازہ کاریاں نہ گئیں

سب نے چھوڑا تجھے مگر حسرت
درد کی غمگساریاں نہ گئیں

گرفتارِ محبت ہوں اسیرِ دامِ محنت ہوں
میں سراپائے جہانِ آرزو ہوں یعنی حسرت ہوں

عجب انداز ہے میرے مزاجِ لاابالی کا
نہ ممنونِ تمنا ہوں نہ مشتاقِ مسرت ہوں

مری بیتابیوں کا قول ہے ہم جانِ تمکیں ہیں
مری افتادگی کہتی ہے تاجِ فرقِ عزت ہوں

مرا شوقِ سخن پروردۂ آغوشِ حرماں ہے
میں خود شیدائے غم ہوں نہ عقدۂ دردِ محبت ہوں

نہیں ہے قدرداں کوئی تو میں بھی قدرداں اپنا
تکلف برطرف بیگانۂ رسمِ شکایت ہوں

کمالِ خاکساری پر ہے بے پروائیاں حسرت
میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

گریباں چاک ہیں گلہائے رنگیں صحنِ بستاں میں
قیامت کا اثر تھا نالہائے عندلیباں میں

نگاہِ یار بھی کس کس ادا سے لطف کرتی ہے
تماشے پیدا ہیں نو نو تبسمہائے پنہاں میں

نگاہِ شوق کیونکر کامیابِ شادمانی ہو
غضب کا رعب ہے اس شوخ کے حسنِ نگہباں میں

قیامت کا تعلق ہے قیامت کی کشش ہے
سرے سے زندگی گویا جان ہے تیرے نگاہاں میں

مجھے معلوم ہے پھر حشرِ الفت رخنہ ڈالے گا
ترے عہدِ تغافل میں مرے پیمانِ حرماں میں

تماشائے حسنِ روز افزوں کی طلب ہے کیا قیامت ہے
نگاہِ شوق کی بھی جا نہیں ہے چشمِ حیراں میں

الٰہی خیر میرے عہدِ ترکِ میگساری کی
ہجومِ شوق ہے ہنگامۂ فصلِ بہاراں میں

نہ ہوگا مصرعِ رنگیں پسندِ طبعِ حسرت سے
"قیامت ہے نہاں انکے تبسم ہائے پنہاں میں"

ہمیں سمجھا مثلِ غیر ہیں کیوں مہربانیاں
ہے بدگمانِ دوست نہیں بدگمانیاں

حسرت ہے یادگارِ زمانِ جنوں ہنوز
باقی ہیں شوقِ یار کی اب تک نشانیاں

طاعت گزار ہوں دلِ حسرت پسند کا
ناکامیاں ہیں میرے لیے کامرانیاں

رنگِ بہارِ باغ ہے مہمانِ یک نفس
اے وائے عندلیب تری شادمانیاں

ٹھیرا ہے ضبطِ شوق پہ آکر معاملہ
اسدرجہ آرزو کی بڑھیں بے زبانیاں

گو ترکِ آرزو کو زمانہ گذر گیا
لیکن گئیں نہ ہم سے تری سرگرانیاں

حسرت تری شگفتہ کلامی پہ آفریں
یاد آگئیں نسیم کی رنگیں بیانیاں

بھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
الٰہی ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں

نہ چھیڑ اے ہمنشیں کیفیتِ صہبا کے افسانے
شرابِ بیخودی کے مجھکو ساغر یاد آتے ہیں

رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی
وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں

نہیں آتی تو یاد انکی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترکِ محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھکر یاد آتے ہیں

وصل کی بنتی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

بیزبانی ترجمانِ شوق بیحد ہو تو ہو
ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

مٹ رہی ہیں دل سے یادیں روزگارِ عیش کی
اب نظر کا ہیکو آئینگی یہ تصویریں کہیں

التفاتِ یار تھا اک خوابِ آغازِ وفا
سچ ہوا کرتی ہیں ان خوابوں کی تعبیریں کہیں

تیری بیصبری ہے حسرت خاکساری کی دلیل
گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں

عشق میں جان سے گذر جائیں
اب یہی جی میں ہے کہ مر جائیں

یہ نہیں ہیں کہ [illegible]
بے خطر آس کے بے خبر جائیں

جامہ زیبی نہ پوچھیے اُنکی
جو بگڑنے میں بھی سنور جائیں

اُنکو منظور ہوا پردا
اہلِ شوق اب کہو کدھر جائیں

شب وہی شب ہے دن وہی دن ہے
جو تری یاد میں گذر جائیں

گریۂ شام سے تو کچھ نہ ہوا
اُن تک اب نالۂ سحر جائیں

دوش تک بھی ملے جہاں ہیں وہ بال
جانے کیا ہو جو تا کمر جائیں

شعر دراصل ہیں وہی حسرت
سنتے ہی دل میں جو اُتر جائیں

قصۂ شوق کہوں درد کا افسانہ کہوں
دل ہو قابو میں تو اُس شوخ سے کیا کیا نہ کہوں

خود ہے اقرار اُنھیں اپنی ستمگاری کا
پھر بھی اصرار ہے مجھ سے کہ میں ایسا نہ کہوں

آپ بیٹھیں تو سہی آکے مرے پاس کبھی
کہ میں فرصت میں حدیثِ دلِ دیوانہ کہوں

ردیف "و"

اثرِ عشق سے نکلیں جو تمھارے آنسو
دامنِ جاں میں وہ لے لیجیے سارے آنسو

جلوۂ حسن سے رنگیں ہیں جو آنکھیں اُنکی
سرخ نکلے ہیں اسی رنگ کے مارے آنسو

دیکھکر غیر کی محفل میں اُنھیں مست شراب
نہ ہوا ضبط نکل آئے ہمارے آنسو

عالمِ حسن میں ہیں نور کی نہریں جاری
یا رواں عارضِ جاناں کے کنارے آنسو

گریۂ شوق سے تر ہیں جو تمھاری آنکھیں
بن گئے ہیں فلکِ حسن کے تارے آنسو

ہو کے آگاہ غمِ عشق مری حالت پر
آج [illegible] اُس شوخ نے بھی [illegible] آنسو

ہے محبت سے سرکار میں بھی حسرت

چشم جاناں میں یہ کرتے ہیں اشارے آنسو

کسی عنوان صبر آتا نہیں مجھ ناشکیبا کو	الٰہی کیا کروں اس خاطرِ محوِ تمنا کو
نہ تھی الفت جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے	نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اس نگاہِ بے محابا کو
وہ خوابِ ناز میں تھے اور نہ تھے اے شوقِ پروا سی	نہ سمجھی پستیِ ہمت تری اس لطفِ ایما کو
تمہیں بھی یاد ہوگا وہ زمانہ عیشِ ماضی کا	تمنا چاہتی ہے پھر اسی لطفِ شناسا کو
بھرآئے اشک در افتادگانِ بزمِ ساقی کے	مئے رنگیں سے خالی دیکھ کر آغوشِ مینا کو
نگاہِ شوق میں چمکا دیا ہے اور بھی ظالم	ترے ظلمِ نمایاں نے ترے حسنِ خود آرا کو
عیاں سب حال ہو جاتا ہماری بیقراری کا	وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنے نازِ بیجا کو
چھپانے سے کہیں آثار چھپتے ہیں محبت کے	نہ دو الزام میرے اضطرابِ آشکارا کو

گذاری عمر شغلِ عاشقی میں مرحبا حسرت
نہ پاس آنے دیا غمہائے پایانِ دنیا کو

دل لیجیے اغیار سے فرصت نہیں تم کو	معلوم ہوا قدرِ محبت نہیں تم کو
سمجھائیں گے اس شیوۂ بیباک پہ لاکھوں	مارا ہے مجھے اور ندامت نہیں تم کو
بھولے سے ہی اٹھائے نقابِ رخِ زیبا	کیا شوق کی اتنی بھی رعایت نہیں تم کو
کچھ غیر نہیں ہم کہ گھبرائیں جفا سے	اظہارِ مدارات کی حاجت نہیں تم کو

ڈرتے نہیں رسوائی عشق سے بھی حسرت
دنیا میں تو پروائے ملامت نہیں تم کو

وہ اب یہ کہتے ہیں کیا کرے نہ تو مجھکو	سمجھ لیا ہے جو محبوبِ آرزو مجھکو
خاص کر ہم چاہنے والوں سے پردا کیوں نہ ہو	کیوں نہ ہوتے دشمنِ اہلِ تمنا کیوں نہ ہو

قابو میں نہیں ہے دلِ شیدائے مدینہ
کب دیکھیے بر آئے تمنائے مدینہ

ق
خوشبوئے رسالت سے ہے از بسکہ معطر
ہر ذرۂ آبادیِ صحرائے مدینہ

ہے بیخودیِ عشقِ حقیقی کا شناسا
ہر دل کہ ہے مخمورِ تولائے مدینہ

آتی ہے جو ہر شے سے یہاں اُنس کی خوشبو
دنیائے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ

ہے شام اگر گیسوئے احمدؐ کی سیاہی
تو نورِ خدا صبحِ دلارائے مدینہ

اے وہ کہ سرورِ ابدی کا ہے طلبگار
پی ساغرِ دل سے مینائے مدینہ

ڈر غلبۂ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک
فرمائیں مدد سیدِ والائے مدینہ

ردیف "ی"

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی
مجھے وہ شاملِ اربابِ امتیاز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ اُنکے دردِ محبت سے ساز باز کرے

امیدوار ہیں ہر سمت عاشقوں کے گروہ
تری نگاہ کو اللہ دلنواز کرے

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت
اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

لایا ہے دل پہ کتنی خرابی
اے یار تیرا حسنِ شرابی

ق

پیراہن اُسکا ہے سادہ رنگیں — یا عکسِ مے سے شیشہ گلابی

عشرت کی شب کا وہ دورِ آخر — نورِ سحر کی وہ لاجوابی

پھرتی ہے اب تک دلکی نظر میں — کیفیت اُنکی وہ نیم خوابی

بزم طرب ہی وہ بزم کیوں ہو — ہم غمزدوں کو واں باریابی

ق

اُس نازنیں نے باوصفِ عصمت — کی وصل کی شب وہ بیحجابی

شوق اپنی بھولا گستاخ دستی — دل ساری شوخی حاضر جوابی

وہ روئے زیبا ہے جانِ خوبی — ہیں وصف جسکے سارے کتابی

اس قیدِ غم پہ قربان حسرت — عالی جنابی گردوں رکابی

اور تو پاس مرے ہجر میں کیا رکھا ہے — اک ترے درد کو پہلو میں چھپا رکھا ہے

دل سے اربابِ وفا کا ہے بھلانا مشکل — ہمنے یہ اُنکے تغافل کو سنا رکھا ہے

تم نے بال اپنے جو پھولوں میں بسا رکھے ہیں — شوق کو اور بھی دیوانہ بنا رکھا ہے

سخت بیدرد ہے تاثیرِ محبت کہ اُنھیں — بسترِ ناز پہ سوتے سے جگا رکھا ہے

آہ وہ یاد کہ اُس یاد کو ہو کر مجبور — دلِ مایوس نے مدت سے بھلا رکھا ہے

کیا تامل ہے مرے قتل میں اے بازوئے یار — ایک ہی وار پہ سرتن سے جدا رکھا ہے

حسن کو جور سے بیگانہ نہ سمجھو کہ اُسے — یہ سبق عشق نے پہلے ہی پڑھا رکھا ہے

تیری نسبت ستمگر ترے مایوسوں نے — داغِ حرماں کو بھی سینے سے لگا رکھا ہے

کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ محبت جسکو — نام اُسی کا دلِ مضطر نے دوا رکھا ہے

نگہِ یار سے پیکانِ قضا کا مشتاق — دلِ مجبور نشانے پہ کھلا رکھا ہے

اسکا انجام بھی کچھ سوچ لیا ہے حسرت
تونے ربط اُن سے جو اس درجہ بڑھا رکھا ہے

دل کو تری دزدیدہ نظر لیکے گئی ہے
اب یہ نہیں معلوم کدھر لیکے گئی ہے

اس بزم سے آزردہ نہ آئے گی محبت
آئینِ وفا مدِ نظر لیکے گئی ہے

جب لیکے گئی ہے ہمیں تا کوے ملامت
مجبوری دل خاک بسر لیکے گئی ہے

پہلے ہی سے مایوس نکیوں ہوں کہ دعا کو
قسمت مری محروم اثر لیکے گئی ہے

اللہ ری کافر ترے اس حسن کی مستی
جو زلف تری تا بہ کمر لیکے گئی ہے

معلوم نہ ہو خاطر حسرت کہ کہاں تک
پیغامِ وفا بادِ سحر لیکے گئی ہے

نہ ہو اسکی خطاپوشی یہ کیوں نازِ گنہگاری
نشانِ شانِ رحمت بنگیا داغِ سیہ کاری

ستم تم چھوڑ دو میں شکوہ سمجھا ہے ناچاری
کہ فرض عین ہے کیش محبت میں رواداری

وفا سے دشمنی رکھکر مرے دل کی طلبگاری
بہت مشکل ہے اس جنسِ گرامی کی خریداری

ہوئیں ناکامیاں بدنامیاں رسوائیاں کیا کیا
نچھوٹی ہم سے لیکن کوے جاناں کی ہواداری

وہ دن اب یاد آتے ہیں کہ آغازِ محبت میں
نہ چالاکی سمجھے اے شوخ آتی تھی نہ عیاری

نہیں غم جیب و دامن کا مگر ہاں فکر ہے اتنی
نہ اُٹھیگا مرے دستِ جنوں سے رنج بیکاری

نچھوڑا مرتے دم تک ساتھ بجانِ محبت کا
قسم کھانے کے قابل ہے ترے غم کی وفاداری

نہ اُنکو رحم آتا ہے نہ مجھسے صبر ہے ممکن
کہیں آسان ہو یا رب محبت کی یہ دشواری

وفورِ اشک پیہم سے ہجوم شوقِ بیحد میں
مری آنکھوں سے ہے اک آبشارِ آرزو جاری

غضب رنگینیاں تھیں گریہ ہاے ابتدائی کی
ہوئی ہے جنسے دامانِ محبت پر یہ گلکاری

نہیں کھلتی مری نسبت تری اے حیلہ جو مرضی
کہ ہے اقرار دلجوئی نہ انکار ستمگاری

مگر اتنا ستم ہم دردمندوں پر کہ دنیا سے
مبادا یکقلم اُٹھ جائے تہذیب وفاداری

رواں ہے قافلہ سوئے عدم ارباب محنت کا
گیا پہلے ہی دل اب جان محزوں کی ہے تیاری

خوشی سے ختم کر لے سختیاں قید فرنگ اپنی
کہ ہم آزاد ہیں بیگانۂ رنج دل آزاری

نہ دیکھے اور دل عشاق پر پھر بھی نظر رکھے
قیامت ہے نگاہ یار کا حسن خبرداری

یہی عالم رہا گر اُسکے حسن سحر پرور کا
تو باقی رہ چکی دُنیا میں راہ و رسم ہشیاری

وہ جرم آرزو پر جسقدر چاہیں سزا دے لیں
مجھے خود خواہش تعزیر ہے ملزم ہوں اقراری

چلا برسات کا موسم نہ چھوٹے قید غم سے ہم
بڑی بے لطفیوں میں انکی گذرا وقت میخواری

نسیم دہلوی کو وجد ہے فردوس میں حسرت
جزاک اللہ تیری شاعری ہے یا فسوں کاری

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

جو چاہو سزا دے لو تم اور بھی کھل کھیلو
پر ہم سے قسم لے لو کی ہو جو شکایت بھی

دشوار ہے رندوں پر انکار کرم یکسر
اے ساقی جاں پرور کچھ لطف و عنایت بھی

دل بسکہ ہے دیوانہ اُس حسن گلابی کا
رنگیں ہے اسی رو سے شاید غم فرقت بھی

خود عشق کی گستاخی سب تجھکو سکھا لیگی
اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

برسات کے آتے ہی توبہ نہ رہی باقی
بادل جو نظر آئے بدلی مری نیت بھی

عشاق کے دل نازک اُس شوخ کی خو نازک
نازک اسی نسبت سے ہے کار محبت بھی

رکھتے ہیں مرے دلبر کیوں تہمت بیتابی
ہاں نالۂ مضطر کی جب مجھ میں ہو قوت بھی

اے شوق کی بیباکی وہ کیا تری خواہش تھی
جس پر اُنھیں غصہ ہے انکار بھی حیرت بھی

ہر چند ہے دل شیدا حریت کامل کا
منظور دعا لیکن ہے قید محبت بھی

ہیں شاد و صفی شاعر یا شوق و وفا حسرت
پھر ضامن و محشر ہیں اقبال بھی وحشت بھی

آنکھوں کو انتظار سے گرویدہ کر چلے
تم تو یہ خوب کارِ پسندیدہ کر چلے

یادوں دل کو پھر سے وہ شوریدہ کر چلے
بیدار سارے فتنۂ خوابیدہ کر چلے

اظہارِ التفات کے پردے میں اور بھی
وہ عقدہ ہائے شوق کو پیچیدہ کر چلے

ہم سجدوں سے چھپ سکا رازِ آرزو
سب نے عرضِ حالِ دل و دیدہ کر چلے

ہمراہِ غیر آ کے اڑائی مری ہنسی
خوب آپ خاطرِ دل رنجیدہ کر چلے

تسکینِ اضطراب کو آئے تھے وہ مگر
تنہا ہوں کسی روح کو بالیدہ کر چلے

اہلِ نظر کو بے خبرِ دو جہاں کیا
ایسی کچھ اک نگاہ وہ دزدیدہ کر چلے

تھا عشقِ یار بھی کوئی گنجینۂ مراد
ویرانِ دل میں ہم جسے پوشیدہ کر چلے

یہ طرفہ ماجرا ہے کہ حسرت سے ملکے وہ
کچھ جان و دل کو اور بھی شوریدہ کر چلے

اربابِ اشتیاق سے پردا نہ چاہیے
اے حسن خودنما تجھے ایسا نہ چاہیے

اُن کا ستم بھی عینِ کرم ہے خواص کو
اسکا مگر عوام میں چرچا نہ چاہیے

کچھ حد سے بڑھ چلی ہیں تری کج ادائیاں
اس درجہ اجتنابِ تمنا نہ چاہیے

جو دیکھتے ہوں دیکھنے والوں کا دیکھنا
ایسوں کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیے

اتنی سی شے کا تم سے تقاضا کریگا کون
دل لیکے ہم سے آنکھ چرانا نہ چاہیے

اخفائے عشق مدِ نظر ہو تو حسن سے
اظہارِ آرزو میں محابا نہ چاہیے

حسرت کی طرح اور بھی مشتاق ہیں بہت
اُس حسنِ بے مثال کو چھپنا نہ چاہیے

روشِ حسن مراعات چلی جاتی ہے
ہم سے اور اُن سے وہی بات چلی جاتی ہے

اُس جفا جو سے بجا ہے یہ تمنا کب تک
ہوسِ لطف و عنایات چلی جاتی ہے

مل ہی جاتے ہیں پشیمانیِ غم کے اسباب
شوقِ حرماں کی مدارات چلی جاتی ہے

کچھ رہی تھی ہوسِ مے سو تغافل سے ترے
وہ بھی اے پیرِ خرابات چلی جاتی ہے

ہم سے ہر چند وہ ظاہر میں خفا ہیں لیکن
کوششِ پرسشِ حالات چلی جاتی ہے

دن کو ہم اُن سے بگڑتے ہیں تو شب کو ہم سے
رسمِ پابندیِ اوقات چلی جاتی ہے

اُس ستمگر کو ستمگر نہیں کہتے بنتا
سعیِ تاویلِ خیالات چلی جاتی ہے

تکیۂ یار سے پا لیتے ہیں اُن کی باتیں
شہرتِ کشف و کرامات چلی جاتی ہے

حیرتِ حسن نے مجبور کیا ہے حسرت
وصلِ جاناں کی یونہیں رات چلی جاتی ہے

توڑ کر عہدِ کرم ناآشنا ہو جائیے
بندہ پرور جائیے اچھا خفا ہو جائیے

میرے عذرِ جرم پر مطلق نہ کیجے التفات
بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر کج ادا ہو جائیے

خاطرِ محروم کو کر دیجیے محوِ الم
درپئے ایذائے جانِ مبتلا ہو جائیے

راہ میں ملیے کبھی مجھ سے تو از راہِ ستم
ہونٹ اپنا کاٹ کر فوراً جدا ہو جائیے

گر نگاہِ شوق کو محوِ تماشا دیکھیے
قہر کی نظروں سے مصروفِ سزا ہو جائیے

میری تحریرِ ندامت کا نہ دیجے کچھ جواب
دیکھ لیجے اور تغافل آشنا ہو جائیے

مجھ سے تنہائی میں گر ملیے تو دیجے گالیاں
اور بزمِ غیر میں جانِ حیا ہو جائیے

ہاں یہی میری وفائے بے اثر کی ہے سزا
آپ کچھ اس سے بھی بڑھکر پُرجفا ہو جائیے

ق
جی میں آتا ہے کہ اُس شوخِ تغافل کیش سے
اب نہ ملیے پھر کبھی اور بے وفا ہو جائیے

دل سے یادِ روزگارِ عاشقی کیجیے نکال
آرزو ہے شوق سے نا آشنا ہو جائیے

کاوشِ دردِ جگر کی لذتوں کو بھول کر
مائلِ آرام و مشتاقِ شفا ہو جائیے

ایک بھی ارماں نہ رہ جائے دلِ مایوس میں
یعنی آخر بے نیازِ مدعا ہو جائیے

بھول کر بھی اُس ستم پرور کی پھر آئے نہ یاد
اس قدر بیگانۂ عہدِ وفا ہو جائیے

ہائے ری بے اختیاری یہ تو سب کچھ ہو مگر
اُس سراپا ناز سے کیونکر خفا ہو جائیے

چاہتا ہے مجھکو تو بھولے نہ بھولوں میں تجھے
تیرے اس طرزِ تغافل کے فدا ہو جائیے

کشمکش ہائے الم سے اب یہ حسرتؔ جی میں ہے
چھٹ کے ان جھگڑوں سے مہمانِ قضا ہو جائیے

اثر تیرے تغافل کا رقیبِ کامراں تک ہے
وجودِ رشکِ بیجا فقط اب بدگماں تک ہے

ابھی دیکھی نہیں گستاخیاں جوشِ تمنا کی
تمہاری کم نگاہی کا اثر بے زباں تک ہے

چمن میں دورِ فصلِ گل ہے لیکن ہائے محرومی
[illegible] بلبلِ [illegible] تک ہے

دلِ بیتاب کی بیباکیاں اُسنے یہ کہتی ہیں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں آپکی شوخی کہاں تک ہے

مری مجبوریاں عشقِ جفا سے باز رکھینگی
ترا شوقِ ستم ظالم خیالِ امتحاں تک ہے

سکھا دیگی ندامت شیوۂ قدرِ وفا اُنکو
یہ شانِ کج ادائی مری جانِ ناتواں تک ہے

مجھے طوفِ حرم کی آرزو کیوں ہو گذر میرا
سرِ کوئے بتاں اے شیخ پیرِ مغاں تک ہے

وہی جورِ خزاں ہوگا وہی محرومیاں ہونگی
نشاطِ بلبلِ بیدل بہارِ بوستاں تک ہے

ہماری داستانِ بیقراری بھی سنا دیجو
گذر تیرا تو اے بادِ صبا اُنکے مکاں تک ہے

کہاں سے آئینگی نیرنگیاں ترکیبِ مومن کی
یہ لطفِ خوش بیانی حسرتِ رنگیں بیاں تک ہے

ترا ناز بھول بیٹھا مری سب نیازمندی
بغرورِ دلربائی بہ یقینِ دلپسندی

نہ ہے اختیار تجھ پر نہ ہے اعتبار دل پر
ترے عاشقوں کا دیکھے کوئی رنگِ مستمندی

مجھے شکوۂ جفا کی نہیں آنے پائی نوبت
وہ ستم بھی گر کرے ہے تو بلطفِ ہوشمندی

تری بزمِ ناز ظالم ہے عجب طلسمِ حیرت
کہ جہاں ہے میرے دل کو سرِ خدمتِ سپندی

غمِ آرزو کا حسرت سبب اور کیا بتاؤں
مری ہمتوں کی پستی مرے شوق کی بلندی

تھی راحتِ حسرت کی کس درجہ فراوانی
میں نے غمِ ہستی کی صورت بھی نہ پہچانی

اک میں ہی ہوں سو کیا میں ہوں محرومِ فراغت ہوں
اک دل ہے سو کیا دل ہے - مجبورِ پریشانی

کس درجہ پشیماں ہے تاثیرِ وفا میری
اُس شوخ پہ آ لگا ہے الزامِ پشیمانی

دیکھ لے ستمِ جاناں - یہ نقشِ محبت ہیں
نقشے ہیں بہ دشواری مٹتے ہیں بآسانی

میں اُس بتِ بدخو کی اس آن پہ مرتا ہوں
کھینچا نہ کبھی اُسنے اندوہِ پشیمانی

یاں صبر میں ہے پنہاں کیفیتِ بیتابی
واں لطف سے پیدا ہے اندازِ ستمرانی

قائم ہے ترے دم سے طرزِ سخنِ قائم
پھر ورنہ کہاں حسرت یہ رنگِ غزلخوانی

سُن چکے شکوے ملالِ خاطرِ ناشاد کے
ہم کہ خوگر ہیں سیا ہیں لذتِ بیداد کے

اک ذرا اُس شوخ کی محشر خرامی دیکھئے
دل میں ہنگامے بپا ہیں شورشِ فریاد کے

دیکھکر عالم مری حیرانیِ خاموش کا
اُڑ گئے ہوش اُنکی تمکینِ ستم ایجاد کے

ضبطِ رازِ عشق نے رخصت نہ دی فریاد کی
آ کے لب تک رہ گئے شکوے تری بیداد کے

تنگیٔ ہمِ شوق تھی پابندیٔ سود و زیاں
لا اُبالی مشغلے ہیں عاشقِ آزاد کے

رفتہ رفتہ مٹ رہی ہے صرصرِ بیداد میں
رنگتیں بوئے وفا میں نکہتِ برباد کے

مرحبا حسرت تباہا خوب اندازِ نسیم
لطف ہر ہر شعر میں ہے بندشِ اُستاد کے

میہوشیوں میں تجسیرِ دو جہاں رہے
ہم خوش ہیں کہ بندۂ پیرِ مغاں رہے

اُس بیوفا کو ترکِ وفا کے گماں رہے
محروم ہم، کہ مائلِ ضبطِ فغاں رہے

اے وائے آرزوئے عنادل کی سادگی
ممکن نہیں کہ جلوۂ گُل جاوداں رہے

یارب ہمارے بعد بھی بزمِ شراب میں
ساقی کے دم سے دورِ مئے ارغواں رہے

مقتضائے رابطۂ حُسن و عشق تھا
ہم بدگماں اِدھر، وہ اُدھر بدگماں رہے

ہنگامۂ بہار کا دیکھا کبھی نہ رنگ
ہمنے، کہ مبتلائے بلائے خزاں رہے

رنجِ شبِ فراق کی مٹ جائیں سختیاں
یوں ہی اگر خیال ترا مہرباں رہے

محرومیٔ وفا سے نہ آیا یقینِ لطف
وہ مہرباں ہوئے بھی تو ہم بدگماں رہے

اُنسے شبِ وصال بھی کھلکر نہ ہم ملے
تا صبح شکوہائے جفا درمیاں رہے

دلچسپ کسقدر تھا مرا قصۂ وفا
جبتک ہوا بیان وہ محوِ بیاں رہے

رتبہ تھا اُنکا، ہو کے رہے جو عزیزِ خلق
ہم کیا رہے کہ طبعِ جہاں پر گراں رہے

خاموشیوں پہ میری کہ حیرت نصیب تھیں
اُس پُرجفا کو صبر و سکوں کے گماں رہے

حسرت رواروی میں بھی آتا رہے خیال
اشعار میں نسیم کا رنگِ بیاں رہے

اُس نازنیں سے ہم کو جتنے گزند پہونچے
سب دل پذیر پہونچے سب دلپسند پہونچے

عالم ہی اب نہیں وہ تفریحِ بے خلل کا
محفل میں تیری ناحق ہم دردمند پہونچے

دل پر گذر گئی کچھ، لب تک جھجکی تو آخر
آہیں بھی چند پہونچیں نالے بھی چند پہونچے

تنہا چہوں سے آخر دو لے صبر و رضا
پہونچے نہ یونہ نالے گو چند چند پہونچے

کس کو نہیں تمنا اُس بزمِ جانفزا کی
نزدیک ہے کہ دل بھی ہو کر سپند پہونچے

با وصفِ نارسائی تا ملکِ یاس حسرت
نالے ہمارے پہونچے اور سربلند پہونچے

یاد ہیں سارے وہ عیشِ با فراغت کے مزے
دل ابھی بھولا نہیں آغازِ الفت کے مزے

وہ سراپا ناز تھا بیگانۂ رسمِ جفا
اور مجھے حاصل تھے لطفِ بے نہایت کے مزے

حُسن سے اپنے وہ غافل تھا میں اپنے عشق سے
اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے

میری جانب سے نگاہِ شوق کی گستاخیاں
یار کی جانب سے آغازِ شرارت کے مزے

یاد ہیں وہ حُسنِ الفت کی نرالی شوخیاں
التماسِ عذر و تمہیدِ شکایت کے مزے

صحبتیں لاکھوں مری بیماریٔ غم پر نثار
جنمیں اُٹھے بارہا اُنکی عیادت کے مزے

میں ہوں مجبور دل ہے سودائی
رخصت اے صبر اے شکیبائی

حُسن کو ہے سرِ خود آرائی
مژدہ اے آرزوے شیدائی

نظر افروزِ اہلِ بینش ہے
تیری پنہانیوں میں پیدائی

متحقق ہے جلوۂ رخِ یار
متحیر ہے چشمِ بینائی

ہے وہ مجمعِ ادا بجانِ وفا
جانِ محبوبی و دلآرائی

مذہبِ عاشقی میں ہے اے عقل
ہیچ ہی انتہاے دانائی

اثرِ حسنِ یار سے آخر ‏ ‏ ‏ ‏ آ گئی عشق میں بھی رعنائی

عشقِ کامل کے دونوں ہیں مرغوب ‏ ‏ ‏ ‏ سحرِ وصل و شامِ تنہائی

بندۂ بندگانِ حضرتِ عشق

حسرت سرِ فرازِ رسوائی

خیالِ یار میں بھی رنگ تجھ سے یار پیدا ہے ‏ ‏ ‏ ‏ یہ رنگینی ماجرا اے عشق شیریں کار پیدا ہے

ترے روئے دلارا کے تصور کا یہ عالم تھا ‏ ‏ ‏ ‏ کہ چشمِ شوق میں اک حسن کا گلزار پیدا ہے

ترے اصرارِ مضطر میں نہاں تھی میری مایوسی ‏ ‏ ‏ ‏ ترے اقرارِ آساں سے ترا انکار پیدا ہے

طریقِ عشقِ جاناں ہے جدا گبر و مسلماں کا ‏ ‏ ‏ ‏ یہیں سے اختلافِ سبحہ و زنار پیدا ہے

نگاہِ آرزو گلچینِ باغِ کامرانی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ نشانِ خواب شکلِ طالعِ بیدار پیدا ہے

وفا میری بشکلِ بے زبانی آشکارا تھی ‏ ‏ ‏ ‏ ستم تیرا برنگِ پرسشِ اغیار پیدا ہے

نسیمِ دہلوی کی شاعری آساں نہیں حسرت

تجھی سے ہے کہ یہ نیرنگیِ گفتار پیدا ہے

رسمِ وفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے ‏ ‏ ‏ ‏ حبِ وطن مستِ خواب دیکھیے کب تک رہے

دل پہ رہا مدتوں غلبۂ یاس و ہراس ‏ ‏ ‏ ‏ قبضۂ حزم و حجاب دیکھیے کب تک رہے

کھنچا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب ‏ ‏ ق ‏ ‏ ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے

پردۂ اصلاح میں کوششِ تخریب کا ‏ ‏ ‏ ‏ خلقِ خدا پہ عذاب دیکھیے کب تک رہے

نام ہے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم ‏ ‏ ‏ ‏ جبر بزیرِ نقاب دیکھیے کب تک رہے

دولتِ ہندوستاں قبضۂ اغیار میں ‏ ‏ ‏ ‏ بے عدد و بے حساب دیکھیے کب تک رہے

ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزمِ حریفاں کا رنگ ‏ ‏ ‏ ‏ اب یہ شراب و کباب دیکھیے کب تک رہے

حسرتِ آزاد پہ جورِ غلامانِ وقت
از رہِ بغض و عناب دیکھیے کب تک رہے

اے گریۂ محرومی تو جانِ محبت ہے
تو جانِ محبت ہے ایمانِ محبت ہے

ہر چند کہ تنہائی ہے لازمۂ محنت
ہم خوش ہیں کہ ایسا ہی فرمانِ محبت ہے

ہوں دولت و حشمت پر اربابِ ہوس نازاں
یاں بے سر و سامانی سامانِ محبت ہے

مجبوری و حیرانی آغاز کی تھیں باتیں
بے خویشی و بے جانی پایانِ محبت ہے

درخورِ شکایت تھی بیداد تری لیکن
منظوری و خاموشی شایانِ محبت ہے

یکتا نہ آرائشِ مستغنیِ آسائش
اے بیخودیٔ حسرت حیرانِ محبت ہے

کثرت سے التفات آموزِ مدہوشی نہ تھی
ورنہ خمخانے میں ساقی مجھکو بیہوشی نہ تھی

رحم تیرا تھا بصورت سزا وارِ ثنا
مدح میری بربنائے مصلحت کوشی نہ تھی

کیا ہوئے وہ دن کہ اربابِ نظر کی آنکھ سے
اس سراپا ناز کو پردے روپوشی نہ تھی

تھا حجاب اُنکا مری حیرت سے سرگرمِ کلام
تھی لبِ اظہار خامشی ورنہ وہ خاموشی نہ تھی

ظلمِ عصیاں سے مٹا حسرت نہ داغِ عشقِ یار
اور یہ کیا تھا اگر اُسکی خطا پوشی نہ تھی

عرضِ کرم پہ ترکِ جفا بھی نہ کیجیے
ایسا نہ ہو کہ آپ ملا بھی نہ کیجیے

اس بے وفا سے مصلحتِ شوق ہے یہی
اپنی ستم کشی کا گلا بھی نہ کیجیے

پھر کیجیے کس امید پہ ہم زندگی کریں
جب آپ التفات ذرا بھی نہ کیجیے

منظور ہے جو ترکِ محبت ہی آپ کو
ہم پر ستم ناز و ادا بھی نہ کیجیے

حسرت یہ کیا ستم ہے کہ اک بت کے عشق میں
تو چاہتا ہے یادِ خدا بھی نہ کیجیے

برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے
ہم نے اُس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے

یاد بھی دل کو نہیں صبر و سکوں کی صورت
جب سے اُس ساعدِ سیمیں کو کھلا دیکھا ہے

پھر اُسی لطفِ ستم کوش کا مشتاق ہے دل
ہم نے جس لطف کو ہم رنگِ جفا دیکھا ہے

تجھ میں کچھ بات ہے ایسی جو کسی میں نہ ملی
یوں تو اوروں سے بھی دل ہم نے لگا دیکھا ہے

دلِ بیتاب جو قابو میں نہیں ہے حسرت
نگہِ شوق نے کیا جانیے کیا دیکھا ہے

محبوبیِ و رنگینی ہیں جزوِ بدن تیری
سرشارِ محبت ہے خوشبوئے دہن تیری

مجبورِ وفا کر کے محروم کرم کرنا
بھولینگی نہ یہ باتیں اے عہد شکن تیری

باطن میں وہ بیہری ظاہر میں یہ دلجوئی
ہم خوب سمجھتے ہیں ترکیبِ سخن تیری

غارت گرِ تمکیں ہے۔ آشوبِ دل و دیں ہے
یہ طرزِ نگہ تیرا یہ وضعِ حسن تیری

جو ہم سے چھپائی تھیں، ہم کو نہ بتائی تھیں
روشن ہیں وہ سب ہم پر باتیں بن و عن تیری

اب رونے سے کیا ہوگا پروانہ ہے بے پروا
برباد ہے سب محنت اے شمعِ لگن تیری

اُس شاہدِ رعنا کے اکرامِ اقامت سے
تقدیر چمک اُٹھی اے ملکِ دکن تیری

تنہائیِ غربت سے مغموم نہ ہو حسرت
کب تک نہ خبر لیں گے یارانِ وطن تیری

ظاہر ملالِ رشک و رقابت نہ کیجیے
بہتر یہی ہے اُن سے شکایت نہ کیجیے

یا جوشِ اضطراب کو ملزم نہ جانیے
یا دل کو آشنائے محبت نہ کیجیے

چھٹنے نہ پائیں رنجشیں باہم کی لذتیں
رفع ملال و دفع کدورت نہ کیجیے

حائل شبِ وصال ہے کیوں پردۂ حجاب
اب اسکو درمیان سے رخصت نہ کیجیے

فوزِ عظیم عشق و جنوں کو سراہیے
پروائے اہلِ پند و ملامت نہ کیجیے

واقف ہیں خوب آپکی طرزِ جفا سے ہم
اظہارِ التفات کی زحمت نہ کیجیے

آئینِ دلنوازی و احساں کو دیکھیے
ہم بے دلوں پہ جور کی شدت نہ کیجیے

میں ہوں گناہگار تو دیجیے سزا مگر
اس درجہ میرے حال سے غفلت نہ کیجیے

مجبوریوں کو صبر سے مانا نہ جائیے
اندازۂ سکونِ طبیعت نہ کیجیے

عذرِ ستم ضرور نہ تھا آپ کے لیے
حسرت کو شرمسارِ ندامت نہ کیجیے

ستم ہو جائے تمہیدِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے
محبت میں بتا اے ضبطِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

بھلا دیتی ہیں سب رنج و الم حیرانیاں میری
تری تمکینِ بیجا کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

جفائے یار سے شکوے کرے رنجِ ناکامی
امید و یاس دونوں ہوں بہم ایسا بھی ہوتا ہے

مرے پاسِ وفا کی بدگمانی ہو بجا تم سے
کبھی ہو جبرِ اظہارِ کرم ایسا بھی ہوتا ہے

تری دلداریوں سے صورتِ بیگانگی نکلی
خوشی ایسی بھی ہوتی ہے الم ایسا بھی ہوتا ہے

وقارِ صبر کھویا گریہائے بیقراری نے
کبھی اے اعتبارِ چشمِ نم ایسا بھی ہوتا ہے

بدخواہِ وفا کیوں شکوہ سنجِ جور ہے حسرت
دیارِ شوق میں اے محوِ غم ایسا بھی ہوتا ہے

کون اس نگہِ ناز کے قابو میں نہیں ہے
پھر دل کی خطا کیا ہے جو پہلو میں نہیں ہے

دلہائے پریشاں کی جو رونق ہے تمہی سے
اس نور کی جا خاطرِ گیسو میں نہیں ہے

تاثیر ہے اُس جلوۂ یکتا کی نمایاں
رنگینیِ خوناب یہ آنسو میں نہیں ہے

حیف اس قدمِ شوق کی بیراہہ روی پہ
جو اُس گُلِ رعنا کی نگاہوں میں نہیں ہے

دیکھا تھا اُسے کس نگہِ مضطرب نے
اب تک دلِ بیتاب جو قابو میں نہیں ہے

رعنائی و زیبائی و محبوبی و خوبی
کیا بات ہے جو اُس قدِ دلجو میں نہیں ہے

آ جائے جو اندازۂ اربابِ نظر میں
ایسی تو ضیا اُس رُخِ نیکو میں نہیں ہے

ہے کونسی ایسی وہ ادا دلبری کی
پنہاں جو ترے گوشۂ ابرو میں نہیں ہے

پھر اور کہاں ہے دلِ گم گشتۂ حسرت
آخر جو ترے طرۂ گیسو میں نہیں ہے

بند ایسی شورشِ غم اس دلِ مضطر میں ہے
جس سے جنبش ہے زمیں کو آسماں چکر میں ہے

اسقدر تاکید کیوں ترکِ مے و ساغر میں ہے
محتسب خود بھی تو فکرِ جنت و کوثر میں ہے

جلوہ فرما ہے جو وہ حسنِ خود آرا بے نقاب
اک قیامت اور برپا عرصۂ محشر میں ہے

منعموں کی ہم غریبوں پر نظر پڑتی ہے یوں
گویا سررشتۂ تقدیر دستِ زر میں ہے

خاطرِ مایوس میں پوشیدہ ہے سب اثرِ عشق
کچھ سرِ پُرشور میں کچھ اور چشمِ تر میں ہے

میرے غمخانے میں تاریکی ہے رنگِ یاس کی
جو نمایاں ہر طرف دیوار میں ہے در میں ہے

عارفوں کی روح بھی جسکے لیے ہے بیقرار
ایسی کیا شے ہے وہ ساقی جو ترے ساغر میں ہے

دام اس میں سخت اس میں قفس سے بیقصور
شوق پابندیِ نہاں خود میرے بال و پر میں ہے

خوب ہے پرسشِ پنہاں لطفِ گاہ گاہ
بات جو کمتر سے پیدا ہو وہ کب اکثر میں ہے

اہتزازِ روحِ بلبل ہے بفصلِ نوبہار
جو عیاں ہر سمت شکلِ جنبشِ صرصر میں ہے

دل میں دیکھو میرے تفسیر کتابِ حسن و عشق
بند اک نکتے میں سب ہے جو کچھ کہ اس دفتر میں ہے

تسکیں ہو سکی نہ دل ناشکیب کی
سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی

ہر وضع دلپسند ہے ہر رنگ دلپذیر
کیا بات ہے کسی کے تن جامہ زیب کی

حسن ذقن ہے رونق نور جبین یار
ہے طرفہ ماجرا یہ بلندی نشیب کی

دل ہے ہلاک اُس سخن جاں نواز کا
جاں مبتلا ہے اُس نگہ دلفریب کی

یہ آج ہمسے جو چاہت جتائی جاتی ہے
عدو سے ملنے کی خفت مٹائی جاتی ہے

غضب ہیں آپ سے سرگوشیاں ندیموں کی
وہ بات کیا ہے جو ہمسے چھپائی جاتی ہے

وفور حسن سے ٹھہری کبھی جو جب نہ نظر
یہ مجھ پہ مفت میں تہمت لگائی جاتی ہے

ثبوت عشق کا اظہار ہو ہی جاتا ہے
اُڑی تو پھر یہ خبر کب دبائی جاتی ہے

پڑی تھی بزم رقیباں میں ایسی کیا اُفتاد
کہ بات بھی نہیں تم سے بنائی جاتی ہے

بسی ہوئی ہے جن آنکھوں میں شوخیوں کی حیا
ادائے شرم اُنھیں کیوں سکھائی جاتی ہے

نہ مجھکو اُسکی خبر ہے نہ خود اُنھیں ہے خیال
کچھ اس طرح سے محبت بڑھائی جاتی ہے

سفارش اُنسے کرے کون جان پر غم کی
کہ یہ غریب ہے ناحق ستائی جاتی ہے

دوچار ہو نظر شوق اُس سے کیا حسرت
نگاہ یار تو دل میں سمائی جاتی ہے

نظر یار سکوں بخش تمنا نہ ہوئی
التماس نگہ شوق پذیرا نہ ہوئی

حسن ہو جسمیں وہ ہر شے جلوہ گر اس دل میں ہے
جذبۂ صورت پرستی میرے آب و گل میں ہے

بیخودی سے بڑھ کے آگے ہے فنا کا مرتبہ
رہرو راہ محبت آخری منزل میں ہے

مائل عشق مجازی کیوں نہ ہوں اہل نظر
جلوۂ حق آشکارا صورت باطل میں ہے

دل میں کیا کیا ہوس دید بڑھائی نہ گئی
روبرو اُسکے مگر آنکھ اُٹھائی نہ گئی

ہم رضا شیوہ ہیں تاویل ستم خود کر لیں
کیا ہوا اُن سے اگر بات بنائی نہ گئی

یہ بھی آداب محبت نے گوارا نہ کیا
اُنکی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی

آہ وہ آنکھ جو ہر سمت رہی صاعقہ پاش
وہ جو مجھ سے کسی عنوان ملائی نہ گئی

ہم سے پوچھا نہ گیا نام و نشاں بھی اُنکا
جستجو کی کوئی تمہید اُٹھائی نہ گئی

دل کو تھا حوصلۂ عرض تمنا سو اُنھیں
سرگذشت شب ہجراں بھی سنائی نہ گئی

غم دوری نے کشاکش تو بہت کی لیکن
یاد اُنکی دل حسرت سے بھلائی نہ گئی

جو وہ نظر بسر لطف عام ہو جائے
عجب نہیں کہ ہمارا بھی کام ہو جائے

شراب شوق کی قیمت ہے نقد جان عزیز
اگر یہ باعث کیف دوام ہو جائے

رہین یاس رہیں اہل آرزو کب تک
کبھی تو آپ کا دربار عام ہو جائے

جو اور کچھ ہو تری دید کے سوا منظور
تو مجھ پہ خواہش جنت حرام ہو جائے

وہ دور ہی سے ہمیں دیکھ لیں یہی ہے بہت
مگر قبول ہمارا سلام ہو جائے

اگر وہ حسن دلارا کبھی ہو جلوہ فروش
فروغ نور میں گم طرف بام ہو جائے

سنا ہے بر سر بخشش ہے آج پیر مغاں
ہمیں بھی کاش عطا کوئی جام ہو جائے

ترے کرم پہ ہے موقوف کامرانی شوق
یہ ناتمام الٰہی تمام ہو جائے

ستم کے بعد کرم ہے جفا کے بعد عطا
ہمیں ہے بس جو یہی التزام ہو جائے

عطا ہو سوز وہ یارب جنون حسرت کو
کہ جس سے پختہ یہ سودائے خام ہو جائے

دل آرزو و شوق کا اظہار نہ کر دے
ڈرتا ہے مگر یہ کہ وہ انکار نہ کر دے

ہشیار۔ کہ اس پرسشِ پیہم کی نوازش
عشاقِ ستمکش کو ہوسکار نہ کردے

راضی بہ رضا ہم ہیں بہر حال مگر ہاں
ڈر ہے کہ یہ خو تم کو ستمگار نہ کردے

فرقت میں ہو کیا حال اگر گریۂ مضطر
جان و دلِ حیراں کو سبکبار نہ کردے

ہم جور پرستوں پہ گماں ترکِ وفا کا
یہ وہم کہیں تجھکو گنہگار نہ کردے

سامانِ فراغت جو ترے پاس ہے اے دل
اک بار اُسے نذرِ غمِ یار نہ کردے

آگاہ نہیں ہیں جو ابھی ذوقِ ستم سے
تنبیہِ دل اُنکو خبردار نہ کردے

ہوتا ہے پُر الذتِ آزار کا لپکا
مرنا بھی کہیں تجھکو یہ دشوار نہ کردے

کچھ حد بھی ہے اس شورشِ خاموش کی حسرت
یہ کشمکشِ غم تجھے بیکار نہ کردے